36

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کارنامے

(فرمودہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے بعض پچھلے خطبات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض کام جو یتلوا علیھم اٰیٰتک کے ماتحت تھے۔ بیان کئے تھے۔ آج میں پھر اسی حصہ آیت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور کام بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آیات اللہ سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکہ آیت کے معنی دلیل کے ہیں اور دلیل کے معنی وہ چیز ہے جو اور چیز کی طرف راہ نمائی کرتی اور اس کا پتہ دیتی ہو پس ہر وہ چیز جو خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پتہ دیتی ہے۔ آیت کہلاتی ہے۔ اسی لئے کلام الٰہی کو آیت کہا جاتا ہے اور اس کے ہر ٹکڑے کا نام بھی آیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے تمام جملے اور فقرے آئتیں کہلاتی ہیں۔ کیونکہ ہر جملہ خدا تعالیٰ کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ اور کوئی ٹکڑا ایسا نہیں۔ جو اپنی ذات میں ایسے کمال اور ایسی خوبیاں نہ رکھتا ہو جو خدا تعالیٰ کی ذات پر دلالت نہ کرتی ہوں اور کوئی حصہ نہیں جو خدا تعالیٰ کا پتہ نہ دیتا ہو۔

پس قرآن کریم کے تمام ٹکڑے آئتیں کہلاتی ہیں۔ اسی طرح جس قدر خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام نازل ہوتے ہیں۔ وہ بھی چونکہ خدا کی طرف راہنمائی کرتے اور انسانوں کو پاک بناتے ہیں اس لئے آیات کہلاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے انبیاء آیت کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی خدا کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ معجزات بھی آیات کہلاتے ہیں کیونکہ ان سے بھی خدا کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اب میں اس تلاوت آیات کے متعلق کچھ بیان کرتا ہوں۔ جو حضرت مسیح موعودؑ نے کلام الٰہی کی کی ہے اور جس سے ایک طرف تو بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہوگئی ہے اور دوسری طرف بہت سے نئے علوم معلوم ہوئے ہیں۔

پہلی اصلاح جو حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم اور کلام الٰہی کے ذریعہ کی۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ عام عقیدہ رائج ہو گیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد سلسلہ وحی اور الہام بند ہو گیا ہے اور لوگ اس عقیدہ پر اس قدر پختہ تھے کہ اگر کہیں وحی کا لفظ ایسے کلام کے متعلق جو کسی انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو۔ بولا جائے تو معاً کفر قرار دے دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے ۱۹۱۱ء میں ہم چند آدمی وفد کے طور پر ہندوستان کے عربی مدارس دیکھنے کے لئے گئے۔ جس وقت ہم اس دورہ کے لئے نکلے اسی زمانہ میں لکھنؤ میں ندوہ کا جلسہ تھا۔ جس میں سید رشید رضا صاحب ایڈیٹر المنار صدارت کے لئے مصر سے آئے تھے۔ ہم نے اپنے دورہ کے دنوں میں سے وہ دن لکھنؤ کے لئے رکھے۔ جو ندوہ کے جلسہ کے دن تھے۔ کیونکہ ہم ندوہ کی تعلیمی کوششوں کو جاننا چاہتے تھے جو ہمارے وفد کا مقصد تھا۔ ندوہ والوں نے چاہا کہ ہم ان کے مہمان ٹھہریں۔ پہلے تو ہم نے انکار کیا لیکن جب انہوں نے کہا اس طرح ہماری دل شکنی ہوگی تو ہم نے منظور کر لیا۔ جلسہ کے دو دن ہم انہیں کے ہاں ٹھہرے۔ جس کمرہ میں ہمیں ٹھہرایا گیا۔ اسی میں ایک اور صاحب جو پنشنر سیشن جج اور کانپور کے رہنے والے تھے، بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا بھی تھا۔ جو بی اے تھا یا بی اے میں پڑھتا تھا۔ عام لوگوں کو علم تو ہو چکا تھا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں۔ اس لئے وہ ہم سے باتیں کرنے کے لئے آتے تھے۔ ان میں سے ایک ندوہ کا عالم بھی تھا۔ ندوہ آزادئی خیال کی وجہ سے مشہور تھا اور کہا جاتا تھا کہ وہ خیال یا وہ رسوم جو رسول کریم ﷺ اور سلف صالحین کے خلاف ہوں۔ یہ لوگ انہیں ترک کر چکے ہیں۔ ایسے وسیع الخیال لوگوں کے مدرسہ کا مدرس آیا اور اس نے آتے ہی جو سوال کیا۔ وہ یہ تھا کہ کیا یہ درست ہے۔ مرزا صاحب پر وحی نازل ہوتی تھی۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر جھٹ اس نے یہ سوال کیا کیا امت محمدیہ کے اجماع کے مطابق وحی کا سلسلہ رسول کریمؐ کے بعد جاری ہے۔ اس پر میں نے کہا۔ امت محمدیہ کا اجماع ایسا سوال ہے۔ جس کا حل ناممکن ہے۔ کون ایسا انسان ہے جو ہر زمانہ کے ہر انسان سے ملا ہو اور اس سے اس کا عقیدہ دریافت کیا ہو۔ پس اجماع خیالی بات ہے۔ پھر اجماع کیا۔ ایک آدمی بھی اگر قرآن کریم کے مطابق کوئی بات کہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ اسے مانیں۔ اس لئے ہمیں قرآن کریم پر غور کرنا چاہئے کہ وہ وحی کا سلسلہ جاری

بتاتا ہے یا بند۔

اس پر اس نے کہا۔ آپ عجیب تاویلیں کرکے میرے سوال سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہاں قرآن کا کیا سوال ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ کیا ہے اور کیا آپ مسلمان نہیں؟میں نے کہا مسلمان وہ ہوتا ہے جو قرآن کو مانے اور میں ایسا ہی مسلمان ہوں اس پر جھلا کر کہنے لگا۔ میں نے کیسا صاف اور سیدھا سوال کیا تھا کہ علماء نے سلسلہ وحی کے جاری رہنے کے متعلق کیا کہا ہے۔ کیا انہوں نے جاری بتایا ہے مگر آپ قرآن کو پیش کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرا بھی بالکل سیدھا جواب ہے کہ قرآن کریم نے جاری رکھا ہے۔ بند نہیں کیا۔

اسی کے متعلق گھنٹہ بھر تک وہ باتیں کرتا رہا۔ میں کہوں ہم کسی مولوی کے پابند نہیں۔ ان کے آپس میں بے حد اختلافات ہیں۔ قرآن کو دیکھو وہ کیا کہتا ہے اور وہ کہے آپ قرآن کیوں پیش کرتے ہیں۔ علماء کا عقیدہ بتائیں چونکہ مجھے اور کام تھا۔ اس لئے میں نے اسے مولوی سرور شاہ صاحب کے سپرد کر دیا کہ آپ اس سے باتیں کریں۔ آخر جب وہ باہر نکلا تو سیشن جج صاحب پاخانہ کرکے اندر آ رہے تھے۔ لوٹا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس سے بھی انہیں شرم سی محسوس ہوئی۔ وہ جلدی جلدی اندر داخل ہونے لگے کہ مولوی صاحب ان سے لپٹ گئے اور کہا شکر ہے آپ یہاں اہلسنّت ہیں۔ غضب ہوگیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ انگریزی تعلیم یافتہ تھے اور سیشن جج رہ چکے تھے۔ وہ اس حرکت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ سخت گھبرائے اور مولوی صاحب کو دھکہ دے کر کہنے لگے۔ تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ میں وحی کے نزول کا قائل نہیں۔ کیسا بدتہذیب ہے۔ خواہ مخواہ چمٹ گیا ہے۔ جاؤ میں بھی احمدی ہوں میرا پیچھا چھوڑو۔

یہ اس مدرسہ کے مدرس کی حالت تھی۔ جو آزادی اور آزاد خیالی کا جھنڈا اٹھانے والا سمجھا جاتا تھے۔ غرض ایک طرف تو مولویوں نے وحی کا سلسلہ اس لئے بند کر دیا کہ ان کے نزدیک اس سے ختم نبوت ٹوٹ جاتی تھی اور دوسری طرف نو تعلیم یافتہ لوگ جنہیں ختم نبوت سے واسطہ ہی نہیں اور ہر بات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں اور جو اس بات کے تو قائل ہیں کہ کوئی سلسلہ دنیا میں جاری ہو کر بند نہیں ہو جاتا۔ مگر وہ یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں کہ کوئی اور طاقت ان کی غفلتوں پر حاکم ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں وحی کا نازل ہونا تو الگ رہا وہ تو یہ بھی نہیں مانتے کہ رسول کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی نازل ہوئی تھی۔ انبیاء کے متعلق وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ عقل مند اور ہوشیار انسان تھے۔ غور فکر سے اچھی

باتیں نکال لیتے تھے۔ اس قسم کا موقع اگر ہمیں بھی ملے تو ہم بھی نکال سکتے ہیں۔ غرض انہوں نے ہیشہ کے لئے ہی انکار کر دیا کہ وحی کبھی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

ایسے نازک زمانہ میں اسلام دو مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف خدا تعالیٰ کے متعلق تعطل صفات کا عقیدہ علماء میں پایا جاتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ سلسلۂ وحی کو بند قرار دیتے تھے۔ اور دوسری طرف انگریزی خواں وحی اعلیٰ خیالات اور پاک تصورات کا نام رکھ رہے تھے۔ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز سنائی دینا یا نظارے دکھانا درست نہیں تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جب انسان سوچتا ہے تو اس کے قلب پر جو خیالات منعکس ہوتے ہیں۔ اسی کا نام وحی رکھا جاتا ہے۔

ان دو مصیبتوں میں اسلام آیا ہوا تھا۔ جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے۔ ایسے وقت میں کون تھا جو اصلاح کر سکتا؟ کیا مولوی؟ ان کی طاقت تھی کہ اس خرابی کی اصلاح کر سکتے۔ جن کا یہ خیال تھا کہ سلسلۂ وحی بند ہو چکا ہے۔ امید تو بڑی بات ہے۔ ان مولویوں میں سے تو کوئی خیال بھی نہ کرتا تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہو سکتی ہے۔ پھر مایوسی تو الگ رہی کہ انسان سمجھتا ہے میں اس چیز کے قابل نہیں ہوں کہ مجھے حاصل ہو۔ بلکہ مولوی تو یہ کہتے تھے کہ جو شخص کہے کہ مجھے وحی ہوتی ہے وہ کافر ہے۔ کیا ایسے مولوی اس رخنہ کو بند کر سکتے تھے؟ جو شخص بھیڑیئے کو بکری سمجھ کر کان سے پکڑ کر لے آئے اور لا کر بکریوں میں چھوڑ دے۔ کیا وہ یہ امید رکھ سکتا ہے کہ اس کی بکریاں محفوظ رہیں گی۔ پھر وہ لوگ جو اس خیال کو جو اسلام کی بیخ کنی کرنے والا تھا۔ جب اسلام کا جزو بتاتے تھے۔ تو ان کے متعلق کس طرح امید کی جا سکتی تھی کہ اس کے نقصان سے اسلام کو بچا سکیں گے۔

علماء کی تو یہ حالت تھی۔ دوسرا فریق نئی تعلیم حاصل کرنے والا تھا۔ وہ رسول کریم ﷺ کی وحی کا ہی منکر تھا۔ اس سے کیونکر امید ہو سکتی تھی کہ اس مشکل کو حل کرے گا جب ایسی حالت تھی۔ تو پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی آنے والے کی کیا ضرورت تھی۔ کیسی جہالت اور نادانی ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ دنیا کی کیا حالت تھی۔ وحی کے متعلق دو قسم کے خیال پائے جاتے تھے۔ یا تو یہ کہ اب نہیں آسکتی اور یا یہ کہ کبھی آئی ہی نہیں۔ محمد ﷺ پر بھی نہیں نازل ہوئی تھی۔ یہ خیال ہی خیال ہے۔ جب مسلمان کہلانے والوں کی یہ حالت ہو اور صوفیاء تک اسی میں مبتلا ہوں۔ سڑک پر چلتے ہوئے آواز آئی تو کہہ دیا استخارہ نکلا ہے۔ اس طرح وہ بھی وحی کو بند سمجھتے تھے۔ اپنے خیالات' افکار اور آراء پر بنیاد سمجھتے تھے۔ ایسے لوگ کب اصلاح کر سکتے تھے۔ ایسی حالت میں ایک

ہی انسان اصلاح کر سکتا تھا اور وہ وہی ہو سکتا تھا۔ جو خود خدا تعالیٰ کا کلام سنے اور بتائے کہ یہ وحی ہے۔

پس اس اصلاح کے لئے ایک ہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا اور وہ وہی جو خود خدا تعالیٰ کی وحی حاصل کرے۔ اور یہ مامور کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ بھلا سوچو تو وہ مولوی جس نے کبھی صحیح خواب بھی نہ دیکھی ہو۔ جس کے کان خدا تعالیٰ کی آواز سے قطعاً" نا آشنا ہوں۔ کیا وہ کہہ سکتا تھا کہ وحی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اگر وہ کہتا تو اس کی بات سنتا کون اور وہ کیا دلیل دیتا۔ قرآن کریم کی آیتیں پیش کرتا؟ یہ تو پہلے بھی موجود تھیں۔ پھر سلسلۂ وحی کو بند کرنے کا عقیدہ کیوں پیدا ہوا۔ ایسے مولوی کی مثال وہی ہوتی جو اس طرح مشہور ہے۔ کہ سکھوں کے زمانہ میں گیہوں لوٹ لی جاتی تھی۔ چونکہ فساد بہت پھیلا ہوتا تھا۔ اس لئے کھیتی باڑی کم کی جاتی تھی اور گیہوں کی پیداوار کم ہوتی تھی اور جو ہوتی تھی۔ اسے سکھ لوٹ کر لے جاتے تھے تاکہ فوج کے کام آئے۔ اس وقت کے متعلق ایک لطیفہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ کوئی شخص مجلس میں کہہ رہا تھا۔ گیہوں کی روٹی بڑی مزے دار ہوتی ہے۔ سب لوگ حیران تھے کہ اس نے گیہوں کی روٹی کہاں کھائی ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا۔ کیا کبھی تم نے گیہوں کی روٹی کھائی ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے تو نہیں کھائی۔ میرے دادا صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ انہوں نے ایک آدمی کو گیہوں کی روٹی کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پچاکے مار مار کے کھا رہا تھا۔

پس اگر کوئی مولوی یہ کہتا کہ وحی جاری ہے تو اس کی یہی مثال ہوتی کہ ہمارے دادا صاحب ایسا کہتے تھے اور اسے کون مان سکتا تھا۔ اسے وہی جواب دیا جاتا۔ جو گیدڑ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رات کو غار سے نکل کر کہتا ہے۔ پدرم سلطان بود اور دوسرے گیدڑ کہتے ہیں۔ تراچہ۔ تراچہ۔ تراچہ۔ تراچہ۔

پس اگر ایسے مولوی یہ کہتے بھی کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے تو ان کے پاس کیا ثبوت تھا اور ہمیں ان کے کہنے سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ جس شخص نے خود وحی کا مزہ ہی نہ چکھا ہو۔ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ با آواز بلند کہہ سکتا کہ وحی جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس الزام سے بری قرار دے سکتا کہ دنیا میں چاہے کتنی بربادی اور سیاہ کاری پھیل جائے۔ وہ اپنا کلام نہیں نازل کر سکتا۔ اس بہت بڑے الزام سے اگر خدا تعالیٰ کی ذات کو پاک کر سکتا تھا تو وہی جو مامور ہو۔ اور یہ غلط ہے کہ کوئی مولوی یہ اصلاح کر سکتا تھا۔ اول تو ہم کہتے ہیں۔ جتنی اصلاحیں حضرت مرزا صاحب نے کی ہیں۔ خواہ وہ بغیر

وحی کے ہوں اور لوگوں نے کیوں نہ کیں۔ لیکن اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ وہ اصلاحیں جو آپ نے بغیر وحی کے کیں۔ مولوی کر سکتے تھے۔ گو انہوں نے نہیں کیں۔ تو یہ اصلاح ایسی تھی کہ جسے مولوی کسی طرح کر ہی نہ سکتے تھے۔ یہ حضرت مرزا صاحب نے ہی بتایا ہے کہ وحی اب بھی نازل ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اور اس کے بغیر کامل یقین اور ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی شخص رسولوں کو مان سکتا ہے۔ کون مان سکتا تھا۔ جس نے وحی نہیں سنی کہ محمد ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ مسلمانوں کا سنی سنائی باتیں بیان کرنا ایسا ہی تھا جیسے ہندوؤں میں نیل کنٹھ وغیرہ کے قصے مشہور ہیں۔ اگر اس قسم کے خرافات کو کوئی نہیں مان سکتا تو اسبات کو کون مانے گا کہ آج سے تیرہ سو سال قبل تو وحی ہوتی تھی مگر اب نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ جو بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ جس کی ضرورت ہو۔ وہ کبھی بند نہیں ہو سکتی۔ مگروہ یہ تو مانتے ہیں کہ ۱۴ سو سال کے عرصہ میں جیسے علم ہیئت کے تغیرات کی ضرورت تھی۔ اسی طرح وحی کی ہے مگر کہا یہ جاتا ہے کہ آئندہ وحی کبھی آنے کی نہیں۔ اس بات کو کون عقل مند مان سکتا ہے کہ پہلے کبھی وحی آیا کرتی تھی جو اب نہیں آتی۔ فطرت انسانی انہی باتوں کو تسلیم کرتی ہے جو ہوتی رہتی اور جن کے آئندہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ پس یہ مسئلہ صرف مامور من اللہ ہی حل کر سکتا تھا اور یہ غلط ہے کہ کوئی مولوی یا صوفی بھی اسے کر سکتا تھا۔ ساری دنیا کے مولوی اسے حل نہ کر سکتے تھے اور اگر حل کرنے کی کوشش کرتے تو اور زیادہ پیچیدگی پیدا کر دیتے۔ وہ مولوی جو یہ کہتے کہ ہمیں کبھی وحی نہیں ہوئی۔ وہ اگر کہتے کہ وحی نازل ہوتی ہے۔ تو اس سوال کا کیا جواب دے سکتے کہ کس پر نازل ہوتی ہے۔ اس طرح تو وحی کے نازل نہ ہونے کا یقین اور بڑھ جاتا کہ جس سے پوچھا جائے وہی کہتا ہے مجھ پر نازل نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ بات ہی غلط ہے کہ نازل ہوتی ہے۔

ہر ایک عقل مند اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ بغیر اس کے کہ الہام کا دروازہ کھلا ہو اسلام اور ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اگر اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کے مامور حضرت مرزا صاحب نہ آئے ہوتے تو اسلام اور ایمان بھی نہ ہوتا۔ رسول کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا۔ تو اس کا یہی مطلب ہے۔ الہام لائے گا۔ جب کہا گیا کہ وحی نازل ہونا بند ہو گیا ہے۔ تو وحی آسمان پر چلی گئی اور قرآن کے صرف الفاظ رہ گئے۔ اب حضرت مرزا صاحب نے جب یہ ثابت کر دیا کہ وحی جاری ہے تو الفاظ میں روح آ گئی۔

پس جو شخص بے تعصبی سے غور کرے گا۔ اسے ماننا پڑے گا کہ یہی اکیلا کام ایسا عظیم الشان

ہے۔ کہ اگر ساری اسلامی دنیا حضرت مرزا صاحب کی شکر گزاری اور تحمید میں عمر بسر کر دے۔ تو عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ کہ ہم اس وحی کا دروازہ جس کا پتہ حضرت مسیح موعودؑ نے بتایا ہے نہ صرف اپنے لئے کھلا رکھیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچائیں اور اس کے سچے عامل ہوں۔

(الفضل ۷ نومبر ۱۹۲۵ء)